کے مطابق ایک شوہر کے لئے بہتر اور اصوب یہی ہے کہ وہ ایک بیوی کے سامنے دوسری بیوی کا نہ ذکر کرے اور نہ اس کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرے تو سنئے جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ بحیثیت انسان کے ایک ایسے انسان کا معاملہ ہے جو مردانہ اوصاف و کمالات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے اخلاق و مکارم کے لحاظ سے ایک جوہر فرد ہے عدل و انصاف کا مظہر اتم ہے محامد و فضائل میں معدن ہستی کا گوہر یکتا ہے حق شناسی و حق آگاہی کے سمندر کا در یگانہ ہے جس کے خلق عظیم کا یہ عالم ہے کہ امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے خیال کے مطابق اس پر قسم بین الازواج (بیویوں کے لئے باری مقرر کرنا) واجب نہیں ہے مگر وہ پھر بھی باری مقرر کرتا ہے۔ مرض الوفات میں اپنی محبوب تر بی بی کے گھر جانا چاہتا ہے لیکن صرف زبان کے اشارہ و کنایہ سے اس کا اظہار کرتا ہے اسی محبوب تر بیوی نے غصہ میں ایک بیوی کا پیالہ زمین پر دے مارا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے تو یہ تو اس کی محبت ہے کہ وہ اس ٹوٹے ہوئے پیالے کے ٹکڑوں کو خود اپنے ہاتھ سے اٹھاتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ ابن ابی قحافہ کی بیٹی کو غصہ آگیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے عدل کا یہ عالم ہے کہ وہ اسی بی بی سے پیالہ کا تاوان دلاتا ہے اور اسے معاف نہیں کرتا جس کے حلم و تحمل اور صبر و ضبط کا یہ حال ہے کہ بعض بیویاں اس بے تکلفی کی وجہ سے جو ہر بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی ہے اس کے ساتھ تیز زبانی اور آتش کامی کرتی ہیں لیکن وہ عورت کی کمزور فطرت کا تصور کر کے ایک خندۂ گریز پا کے ساتھ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور ان بیویوں کے والدوں کو اس معاملہ میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتا پس مادر گیتی کے جس فرزند گرامی کا یہ کیرکٹر ہو یہ اخلاق و شمائل اور یہ مکارم و فضائل ہوں اس کو ہرگز اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک بیوی کے ساتھ اس کو جو غیر معمولی محبت ہے اور وہ محبت عام مردوں کی طرح حسن و جمال یا کسی نسوانی صنفی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض دینی اوصاف و کمالات کے باعث ہے اور اس بنا پر اس محبت کا حظ نفس کو نہیں بلکہ صرف اللہ اور اس کے دین کے ساتھ محبت و عشق کو ہے اس محبت کو رکھاؤ کی غرض سے وہ دوسری بیویوں کے سامنے بیان نہ کرے۔ یا سرے سے اس بیوی کا دوسری بیویوں سے تذکرہ ہی نہ کرے یہ رکھ رکھاؤ اور داؤ پیچ کا یہ خیال تو وہ کرے جس میں

کچھ نقص ہو جس کی کہیں یا نی پُر نہ ہو۔ جس کے وجود میں کچھ خلا ہو اور جو خود اپنی مدد آپ نہ کر سکتا ہو۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کامل ترین شخصیت کے لئے اس طرح کی مصنوعی معاشرت کا سہارا پکڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی رہا یہ کہ دوسری بیویوں کو اس سے آزردگی ہوتی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کا ذکر ہوتا تو حضرت عائشہؓ کے تیور بدل جاتے اور حضرت عائشہؓ کا چرچا ہوتا تو دوسری بیویاں آزردہ ہو جاتیں تو اصل بات یہ ہے کہ یہ عورت کی فطرت ہے کہ ایک اظہار محبت کیا اس کے لئے تو سوکن کا نفس وجود ہی ناگواری اور بیزاری کا باعث ہوتا ہے مجنون کا مشہور شعر ہے۔

فقلت ما اذنبت فقالت مجیبۃ   وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

اس بنا پر اس موقع پر دیکھنا صرف یہ ہوگا کہ بیزاری اور آزردگی کا سبب کوئی واقعی ہے یا محض خیالی اور جذباتی اور چونکہ ان ازواج مطہرات کی ناگواری کسی معقول وجہ پر مبنی نہیں تھی دوسری جانب ان کے ساتھ انتہائی عدل و انصاف اور حد درجہ خلق و کرم کا معاملہ کیا جاتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی اس ناگواری کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔

اب رہا مولانا تھانوی کا مشورہ! تو ظاہر ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے اور مسلمان بھی اس زمانہ کے جن کے اعمال و افعال خالصۃً لوجہ اللہ کم اور اپنے کسی نہ کسی ذاتی مفاد یا حظ نفس کے لئے زیادہ ہوتے ہیں تو بے شبہ ان لوگوں کو رکھ رکھاؤ کی اور ایسے مصنوعی طریقوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے ٹکراؤ کے امکانات کم ہوں اور خواہ مخواہ کی تھکا فضیحتی نہ ہو آپ نے دیکھا کہ اوپر ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور حضرت تھانوی کے مشورہ میں تطابق اور توافق پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ہمارے فاضل مؤلف بھی خاص اس مقام پر نہیں بلکہ پوری کتاب میں یہی نقطۂ نظر سامنے رکھتے اور جوش عقیدت میں مولانا تھانوی کے اعمال و ارشادات پر رائے ظاہر کرتے وقت میانہ روی اور سلامت روی کے سررشتہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تو وہ مولانا تھانوی کے ساتھ بھی انصاف کرتے اور اپنے ساتھ بھی بلکہ اسلام کے ساتھ بھی!!

(باقی آئندہ)

حالاتِ حاضرہ

"یورپین آرمی"

(از جناب اسرار احمد آزاد)

مستقبل میں کسی عالم گیر جنگ کو برپا ہونے سے روکنے کا مسئلہ ایک ایسا اہم اور نازک مسئلہ ہے جسے دنیا کی کوئی طاقتور ترین قوم ہی نہیں بلکہ اقوام کا کوئی ایک گروہ بھی اطمینان بخش طریقہ پر حل نہیں کر سکتا۔ بقاء امن عالم کا مقصد بین الاقوامی تعاون اور اشتراک عمل ہی کی بدولت حاصل کیا جا سکتا ہے اور ادارۂ اقوام متحدہ کا قیام اسی بین الاقوامی تعاون اور اشتراک عمل کے نظریہ پر مبنی تھا۔ مختصر یہ کہ مستقبل میں اقوام عالم کی آویزش باہمی اور مسلح تصادم کے امکانات کو مسدود اور معدوم کرنے کی تمام تر ذمہ داری ادارۂ اقوام متحدہ پر عاید کر دی گئی تھی اور اس طرح دنیا کی تقریباً تمام چھوٹی اور بڑی قوموں نے اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں جنگی تیاریوں سے نہ صرف محترز رہیں گی بلکہ تخفیف اسلحہ و افواج کے ایک طے شدہ لائحہ عمل پر کاربند ہو کر جارحانہ حملہ اور فوج کشی کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے عمومی شکوک اور شبہات کو زائل کرنے کی کوشش بھی کریں گی۔

بقاء امن عالم کے تصوّر کی بنیاد فوجی سرگرمیوں، اسلحہ سازی، اور اسلحہ بندی سے مجتنب اور محترز رہنے کا اصول ہی پر قائم نہیں کی گئی تھی بلکہ مستقبل میں جنگ کے ہر چھوٹے سے چھوٹے امکان کو مسدود کرنے کے لئے اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ دنیا کی ہر چھوٹی سے چھوٹی قوم بھی آزاد ہو گی بڑی قومیں اس کے داخلی اور بیرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گی، پسماندہ اقوام کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے انہیں جو مدد دی جائے گی وہ بڑی قوموں کے سیاسی، اقتصادی، عسکری مفادات سے قطعاً پاک ہو گی اور کرۂ ارض کے کسی گوشہ میں بھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جائے گا جو اس گوشہ میں بسنے والوں کے قومی مفاد کے منافی ہو۔ لیکن جس طرح ملایا، ویٹ نام، کوریا

اور ٹیونس کی آزادی اور خود مختاری کی تحریکات کو دبا دینے، ایران کے تیل کے چشموں، نیز نہر سویز کے علاقہ پر قبضہ رکھنے اور مشرقِ وسطیٰ کو ملوکانہ اور مستعمرانہ مقاصد کی تکمیل کا مستقر بنانے کی واضح اور غیر مبہم کوششوں نے مغربی جمہوریت پسندوں کے موخر الذکر دعووں کو بے حقیقت ثابت کر دیا ہے اسی طرح اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی کی جد وجہد اس امر کی جانب بھی اشارہ کر رہی ہے کہ امن عالم کے یہ پاسبان، خود جنگ کے لئے میدان تیار کر رہے ہیں اور "یوروپی فوج" کی تنظیم کا فیصلہ جنگی تیاریوں کی راہ پر ایک اہم اقدام کی حیثیت رکھتا ہے۔

"یوروپین آرمی" کے قیام کی ابتدائی تجویز اکتوبر ۱۹۵۰ء کے اواخر میں اس وقت کے فرانسیسی وزیر اعظم موسیو رینی پلیون نے پیش کی تھی۔ لیکن بروسلز کانفرنس سے قبل جو اسی سال کے آخر میں منعقد ہوئی تھی اس تجویز کے سلسلہ میں کوئی قابل ذکر قدم نہیں اٹھایا گیا اور جب بروسلز کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا کہ ——— بحر اوقیانوس شمالی کے معاہد ممالک کی ایک فوج منظم کرکے اسے امریکی جنرل آئزن ہاور کی زیر کمان دیدیا جائے اور اس فوج میں مغربی جرمنی کے فوجی دستے بھی شامل کئے جائیں ——— اسی اجتماع میں یہ بات بھی طے کی گئی تھی کہ ——— یوروپی ممالک کے وزراء دفاع کی ایک کمیٹی قائم کی جائے اور یہ کمیٹی یوروپ کی دفاع کے لئے ایک ہائی کمشنر مقرر کرکے اسے مختلف یوروپی ممالک میں "قومی فوجی دستوں" کی تنظیم کی نگہداشت اور انہیں یوروپی فوج میں شامل کر دینے کا کام سپرد کر دے ——— ظاہر ہے کہ مغربی جرمنی کے علاوہ مغربی یوروپ کا کوئی ملک "قومی فوج" کے وجود سے خالی نہیں تھا اس لئے اس تجویز کا واحد مقصد مغربی جرمنی کی نازی فوج کا احیا ہی ہو سکتا تھا اور یہی وہ نکتہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی جمہوریت کے علمبردار متحدہ امریکہ کی قیادت میں آج کس طرح تاریخ کے اس باب کو دھرا رہے ہیں جو پہلی عالمگیر جنگ کے بعد کے ان واقعات پر مبنی ہے جنکی بدولت دنیا کو دوسری عالمگیر جنگ کے تباہ کن دور سے گذرنا پڑا تھا۔

بہرحال فروری ۱۹۵۱ء میں "پلیون پلان" کی روشنی میں مذکورہ بالا تجویز پر پیرس میں فرانس، مغربی جرمنی بلجیم اور لکسمبرگ کے نمائندگان کے مابین جو مذاکرات ہوئے ان میں "پلیون پلان" کی توضیح

کی گئی اور گذشتہ سال نومبر میں جب روم میں ناٹو کا اجلاس منعقد ہوا تو جنرل آئزن ہاور نے غیر مبہم الفاظ میں اس بات کا اعلان کر دیا کہ ـــــ مغربی دنیا جرمنی کی امداد کی محتاج ہے ـــــ اور اس اعلان کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ نازی جرمنی کے متعلق خصوصیت کے ساتھ پوسٹڈیم میں جو فیصلہ کیا گیا تھا اینگلو امریکن گروہ سے اسے بالکل نظر انداز کر چکا ہے اور اب لزبن میں ناٹو" نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ـــــ مغربی یورپ کے چھ ممالک ـــــ فرانس، جرمنی، اطالیہ، ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ ـــ کے اشتراک عمل سے ۱۴ لاکھ افراد پر مشتمل ایک ایسی فوج کی تنظیم کی جائے جس میں ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ جرمن سپاہی شامل ہوں ـــ اس تجویز کی تفصیلات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ فوج ۷۴ ڈویژنوں اور ہر ڈویژن تیرہ [۱۳] ہزار افراد پر مشتمل ہوگا لیکن آہستہ آہستہ مذکورہ بالا ممالک کے مقررہ تناسب کے مطابق اصل اور معاون فوج کی تعداد ۱۴ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ برطانیہ اس یورپی فوج کے تنظیمی معاملات میں ضرور شریک رہے گا۔ لیکن اس فوج میں برطانوی فوج شامل نہیں ہوگی۔ اس منصوبہ کی تکمیل ۱۹۵۴ء کے خاتمہ تک کر دی جائے گی۔

اس سلسلہ میں "ڈیلی ایکسپریس لنڈن" کے خصوصی نامہ نگار کی معلومات یہ ہیں کہ ـ جب جرمنی "یوروپین آرمی" کے منصوبہ میں ایک مساوی اور خود مختار حصہ دار کی حیثیت سے شریک ہوگا تو اسے جنگی جہاز اور آبدوز کشتیاں تعمیر کرنے نیز ایٹم بم بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ البتہ وہ دیگر اسلحہ کی تیاری اور فراہمی کے اعتبار سے براعظم یوروپ کا اسلحہ خانہ بن جائے گا اور اس کے کارخانے چھ اقوام کی مجوزہ یوروپین آرمی کو مسلح کرنے کے لئے بے شمار اسلحہ تیار کرنے میں مصروف ہو جائیں گے ـــــ

"کے اسی نامہ نگار نے اس بات کا انکشاف بھی کیا ہے کہ ـــ فرانس کو جرمنی کے ایسی
رنے پر اعتراض تھا جو محاصرہ میں کام آتی ہیں لیکن امریکہ اس امر پر مصر رہا کہ اس
یار کرنے کی صلاحیت محض جرمنی ہی میں موجود ہے۔ پھر جب جرمنی کے اسلحہ ساز کارخانوں
کو بین الاقوامی ادارہ کی نگرانی میں رکھنے کی تجویز پیش کی گئی تو مسٹر ڈین ایچی سن نے اسے بھی مسترد کر دیا۔